ہنس ہاسو بیرن فان ویلتھا ئیم: علامہ اقبال کا ایک جرمن معاصر

ڈاکٹر خالد محمود سنجرانی*

Abstract:

Hans-Hasso Freiherr von Veltheim Ostrau was a German Indologist, Anthroposophist, Far East traveler, occultist, author and a close friend of Dr. Muhammad Iqbal. They are close friends and Allama Iqbal across this friend during his stay in Munich (Germany).Hans-Hasso was also considered as the last visitor of Allama Iqbal. This paper deals with the whereabouts of Hans-Hasso von Veltheim.

ہمارے پیشِ نظر علامہ اقبال کے ایک اہم جرمن معاصر اور گہرے دوست ہنس ہاسو بیرن فان ویلتھا ئیم (Hans Hasso Freiherr von Veltheim) کے حالاتِ زندگی کو مختصر طور پر پیش کرنا ہے۔ ان کے نام کے بارے میں ایک صراحت ضروری یہ ہے کہ ان کا اصل نام ہنس ہاسو (Hans Hasso) ہے۔ Freiherr von Veltheim ان کے خاندانی نام کا تسلسل ہے۔ جرمن زبان میں (Freiherr) امراء اور اشرافیہ کے لیے مخصوص تھا۔ ہماری تہذیبی روایت کے مطابق اسے خان بہادر وغیرہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جرمن قوم کی تاریخ میں یہ خطاب نما نام اشرافیہ اور مراعات یافتہ خاندانوں کے لیے ۱۹۲۰ء تک مختص رہا۔ تعلیمی دستاویزات سے لے جاگیروں کے کاغذات تک نام کے ساتھ اس کا لکھا جانا لازم تھا۔ اس لفظ کا انگریزی ترجمہ بیرن (Baron) ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے ایک مکتوب میں انھیں My Dear Baron کہہ کر مخاطب کیا۔ غیر جرمن حلقے میں وہ بیرن فان ویلتھا ئیم سے جانے جاتے تھے۔ اردو میں علامہ اقبال کی سوانح عمریوں میں انھیں بیرن فان ویلتھا ئیم کے نام ہی سے یاد کیا گیا ہے۔ ویلتھا ئیم (Veltheim) ان کا خاندانی حسب ونسب ہے اور ان کے آبا کے نام کے ساتھ بھی درج کیا جاتا تھا۔

ہنس ہاسو فان ویلتھا ئیم (Hans Hasso von Veltheim) علامہ اقبال کے ایک

* شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور

اہم جرمن معاصر اور زمانہء طالب علمی کے ساتھی تھے۔ انھوں نے علامہ اقبال کے ساتھ میونخ یونیورسٹی اور امکانی سطح پر ہائیڈل برگ میں بھی کچھ وقت گزارا۔ ۲۰ اپریل ۱۹۳۸ء کی شام انھوں نے ''جاوید منزل'' میں علامہ اقبال سے طویل ملاقات کی۔ یہ بھی تقدیر کا عجیب امر ہے کہ وہ اقبال کے آخری ملاقاتی تھے۔ اس ملاقات کا ذکر اخبارات اور ہنس ہاسو کی مطبوعہ ڈائری میں موجود ہے۔ این میری شمل نے اپنے مضمون 'جرمنی اور اقبال' میں قیاس کیا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان کافی پرانی واقفیت تھی اور دونوں گوئٹے کے مداح تھے۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اردو اور جرمن دونوں زبانوں میں علامہ اقبال اور ہنس ہاسو کے مابین اس 'پرانی واقفیت' سے بہت حد تک ناآشنائی ملتی ہے۔ اردو اور جرمن میں ماسوا ایک آدھ سطر کے کچھ نہیں ملتا، حتیٰ کہ جرمن میں ہنس ہاسو کی ایک نہایت عمدہ سوانح عمری اور مختلف مضامین پر مشتمل ایک کتاب موجود ہے لیکن اس باب میں یہ دونوں تصانیف خاموش ہیں (ان تصانیف کا مزید تذکرہ بعد میں کیا جائے گا)۔ اردو اور جرمن میں علامہ اقبال اور ہنس ہاسو کے باہمی ربط وضبط کے بارے میں چند سطور کے علاوہ کچھ نئے ماخذات بھی سامنے آئے ہیں جو جرمنی میں مختلف اداروں، کتب خانوں اور ان کے آبائی محل سے راقم کو حاصل ہوئے۔ ان دونوں شخصیات کے مابین خط وکتابت بھی رہی۔ حال ہی میں ہنس ہاسو کے نام علامہ اقبال کے ایک نئے خط کی دریافت (۱) سے ان دونوں معاصرین کے باہمی روابط دستاویزی صورت میں بھی سامنے آئے ہیں۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ میں علامہ اقبال کی وفات کی جو خبر (۲) شائع ہوئی تھی، اس خبر میں بھی علامہ اقبال کے اس جرمن دوست کا ذکر ملتا ہے۔ علامہ اقبال کے انتقال پر ہنس ہاسو نے ایک تعزیتی خط (۳) جاوید اقبال کے نام ارسال کیا تھا جو ان کی مطبوعہ یادداشتوں کے مطابق ہندوستان کے اخبارات میں بھی شائع ہوا۔ علامہ اقبال کی چند اردو سوانح عمریوں میں بھی ہنس ہاسو کا ذکر (۴) ایک آدھ سطر میں ان کے آخری ملاقاتی کے طور پر ملتا ہے۔ اکرام چغتائی صاحب کا ایک مضمون ''اقبال کا آخری ملاقاتی'' شاید اسی کی دہائی میں ''نوائے وقت'' کے سنڈے ایڈیشن میں شائع ہوا تھا۔ علامہ اقبال اور ہنس ہاسو کے مابین روابط کی چند اور دستاویزی شہادتوں کی نشان دہی ہو چکی ہے جن میں ہنس ہاسو کا مطبوعہ روز نامچہ (۵)، آٹوگراف بک (۶)، علامہ اقبال کی ساٹھویں سالگرہ پر ارسال کردہ تہنیتی کارڈ (۷) اور ۱۹۳۸ء میں ہندوستان پہنچنے کے بعد ہنس ہاسو کا برقی تار (۸) شامل ہے۔ مذکورہ دستاویزات اور تصانیف علامہ اقبال اور ہنس ہاسو فان ویلتھائیم کے مابین روابط کے ظاہری نقوش کی بڑی مثالیں بن کر سامنے آتیں ہیں۔

علامہ اقبال اور ہنس ہاسو فان ویلتھائیم کے مابین روابط کی علمی، ادبی اور سیاسی نوعیت کی تفصیل ایک اور مقالے کی متقاضی ہے۔ فی الوقت، ہمارے پیشِ نظر علامہ اقبال کے اس اہم جرمن معاصر کے حالاتِ زندگی کو مختصر طور پر پیش کرنا ہے۔ ''معاصرین اقبال'' اقبالیات کا اہم اور مستقل موضوع ہے کہ جس میں ہونے والی پیش رفت تحقیقِ اقبال میں معاونت کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ اس نوع کے حوالے تحقیق میں وسائلِ تحقیق کے طور پر نہایت

بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ ذیل میں ہنس ہاسو کے حالاتِ زندگی مختصر انداز میں اس امید پر پیش کیے جا رہے ہیں کہ معاصرینِ اقبال پر تحقیق کرنے والوں کے لیے یہ معلومات معاون ثابت ہوں گی۔

ہنس ہاسو کے حالاتِ زندگی کا ماخذ وہ دستاویزات ہیں کہ جو راقم کو جرمنی کے مختلف کتب خانوں اور آرکائیوز (۹) سے ملی ہیں۔ ان دستاویزات کی نقل راقم کے پاس محفوظ ہے۔ چند ایک ضروری دستایزات کی عکسی نقل مقالے میں پیش کی جائے گی۔ ہنس ہاسو کے حالاتِ زندگی کا دوسرا اہم اور مستند ماخذ جرمن زبان میں لکھی جانے ان کی سوانح عمری (۱۰) ہے۔ جرمن زبان میں ان کی شخصیت پر مرتبہ کتاب (۱۱) بھی اس حوالے سے اہم ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔ ان تصانیف اور دستاویزات کے علاوہ ہنس ہاسو کے آبائی قصبے میں مقیم چند لوگوں سے راقم کا مکالمہ، ان کی شخصیت اور زندگی پر کام کرنے والے جرمن دانشوروں اور طلبہ و طالبات سے مراسلت اور مکالمہ بھی ماخذ کا درجہ رکھتے ہیں۔

ہنس ہاسو کی تعلیمی دستاویزات (۱۲) کے مطابق ان کا مکمل نام Hans Hasso Freiherr von Veltheim ہے۔ آپ جرمنی کے شہر کلون میں ۱۵ اکتوبر ۱۸۸۵ء کو صبح نو بجے پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام Heinrich Franz von Veltheim ہے۔ ان کے والد کی تاریخ ولادت ۱۲ اکتوبر ۱۸۵۶ء ہے۔ ہنس ہاسو کے اجداد سلوا کیہ سے ہجرت کر کے جرمنی پہنچے تھے۔ ۱۵۵۸ء میں اس خاندان نے اپنی حیثیت کو مستحکم کرتے ہوئے موجودہ محل (آسٹراؤ) کی جگہ اور اس کے اطراف کی زمینوں کو خرید لیا تھا۔ اس محل کی تعمیر ۱۷۱۳ء میں ہنس ہاسو کے اجداد میں سے ایک بزرگ اوٹو لیوڈوگ (Otto Ludwig) کے ہاتھوں ہوئی۔ انھوں نے فرانسیسی ماہرِ تعمیرات سے اس کا نقشہ بنوایا۔ اس محل کا مالک نہ صرف اطراف کی زمینوں بلکہ ان پر بسنے والے خاندانوں کے ہر معاملے کا ذمہ دار ہوتا تھا اور اسے اپنے علاقے میں بے حد احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس طرح سے دیکھا جائے تو ہنس ہاسو کے خاندان کا شمار جرمنی کے صاحب حیثیت اور با اختیار خاندانوں میں ہوتا تھا۔

ہنس ہاسو کے خاندان میں فوج کی ملازمت یا فوج کا حصہ بننے کی روایت بہت پرانی تھی، اسی وجہ سے ان کے والد فوج میں کسی رجمنٹ کے کمانڈر رہتے تھے۔ ان کی شادی ۲۲ ستمبر ۱۸۸۳ء کو Emma Clara Isbbell سے ہوئی کہ جس کے بطن سے ہنس ہاسو نے جنم لیا۔ ہنس ہاسو کے والد اور والدہ دونوں اس زمانے کے مطابق اعلیٰ نسب تھے۔ ہنس ہاسو کے سوانح نگار ڈاکٹر کارل کلاؤس نے کئی مقامات پر ان دونوں کے خانگی جھگڑوں کی تفصیل دی ہے۔ ان جھگڑوں کے سبب ہنس ہاسو بچپن ہی میں کئی طرح کے نفسیاتی مسائل کا شکار ہو گئے تھے کہ جس کا اندازہ ان کی ہکلاہٹ سے بھی ہوتا ہے۔ والدین کے مابین ان جھگڑوں کے نفسیاتی اثرات سے نکلنے میں انھیں عرصہ لگا۔ ۱۸۹۲ء میں ان کی والدہ نے طلاق لے لی اور بارہ سال کی عمر تک ہنس ہاسو کی پرورش کا ذمہ اٹھایا۔ کچھ عرصے بعد

ہنس ہاسو کی والدہ نے Erich von Leipziger سے دوسری شادی کر لی اور میونخ چلی گئیں۔ہنس ہاسو کو اقامتی تعلیمی ادارے میں بھیج دیا گیا۔ان کے سوانح نگار نے اس اقامتی تعلیمی ادارے میں ہنس ہاسو کی زندگی کو ایک مشکل دور قرار دیا ہے کہ جب ان کے والد فوج کی ملازمت میں مصروف تھے اور والدہ میونخ میں تھیں۔انھوں نے ۱۲ اگست کو اقامتی اسکول کو چھوڑا۔ان کے سوانح نگار کے مطابق یہ سکول پرورش کے جدید ترین اصولوں پر کار بند تھا۔اس اقامتی سکول کے بعد آپ گوئٹ منتقل ہو گئے جو جدید تعلیمی اداروں میں اچھی شہرت کا حامل تھا۔وہاں پر ان کا قیام ۶ جولائی ۱۸۹۵ء تک رہا۔ان کے سوتیلے والد کو ۱۹۱۵ء میں قتل کر دیا گیا جبکہ ان کی والدہ کی وفات ۱۹۲۵ء میں ہوئی۔

ہنس ہاسو کے والد نے Emmy Anne Amelie سے دوسری شادی کر لی تھی۔ان کے والد نے فوج کی ملازمت اور ہنس ہاسو کے دادا کی وفات کے بعد اپنے آبائی قصبے آسٹراؤ کو اپنا مسکن بنا لیا۔بارہ سال کی عمر میں آپ اپنے والد کی نگہداشت میں چلے آئے۔ان کے انتظام کے تحت آسٹراؤ کے قریب واقع بڑے شہر ہالے میں Prof.Breyer کے پاس آپ پنشن گیسٹ کے طور پر چلے گئے اور ہالے ہی سے ۱۹۰۳ء میں انٹر کا امتحان پاس کیا۔

انٹر پاس کرنے کے بعد ہنس ہاسو اپنے والد کے پاس آسٹراؤ چلے گئے کہ جہاں اپنی سوتیلی والدہ کے نامناسب رویے کے ساتھ ساتھ اپنے والد کی عدم توجہی کا بھی انہیں سامنا پڑا۔بچپن سے لے کر اوائل جوانی تک کے اس عرصے میں پیش آنے والے ان واقعات نے انہیں منتشر سا کر دیا تھا۔اسی عرصے میں انھوں نے ڈائری لکھنا شروع کر دی تھی۔ان کے سوانح نگار کے مطابق انھوں نے یکم نومبر ۱۹۰۶ء سے ڈائری لکھنے کا آغاز کیا،ان کے خیال میں اس عہد کی تحریروں میں ہنس ہاسو ناانصافی اور نظام کے خلاف عدم اطمینان کا اظہار کرتے رہتے تھے۔اسی مدت میں ان کے والد نے ان سے ایک گونہ لگاؤ پیدا کر لیا اور وہ،اپنی دوسری بیوی کی اس امنگ کے برعکس کہ اس کا بیٹا ہی اس کی جاگیر کا وارث بنے،ہنس ہاسو کو اپنے خاندان کا مستقبل تصور کرتے تھے اور کسی صورت نہ چاہتے تھے کہ ہنس ہاسو کسی ایسی سرگرمی میں ملوث ہو جو اس کی آئندہ زندگی کے لیے ایک داغ بن جائے۔انھوں نے اپنے بیٹے کے مالی مسائل کی طرف بھرپور توجہ دینا شروع کر دی۔اپنے والد کی تحریک پر انھوں نے میونخ یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔

بیسویں صدی کے آغاز میں میونخ علمی،ادبی اور فکری دنیا میں ابھرتا ہوا شہر تھا۔میونخ کی فضاء ان شہروں سے خاصی مختلف تھی کہ جہاں ہنس ہاسو کا زمانۂ حیات اب تک گزرا تھا۔اس تبدیلی نے ان کی زندگی پر سب سے گہرا اور دوررس اثر مرتب کیا اور اسی شہر میں ان کی علامہ اقبال سے ملاقات کا گہرا امکان پایا جاتا ہے کہ جس نے آگے چل کر دوستی کا درجہ اختیار کر لیا تھا۔میونخ یونیورسٹی میں ان کے تمام تر اخراجات اس کے والد نے مشروط طور پر ادا کئے۔انھوں نے ایک وکیل کی مدد سے ۲۳ مارچ ۱۹۰۷ء کو ایک معاہدہ لکھوایا جس کی رو سے ہنس ہاسو کے لئے ضروری تھا کہ وہ آرٹ کی تعلیم حاصل کرے اور اس میں بہت اچھا گریڈ لے،برے دوستوں کی صحبت سے دور رہے اور ان

طالب علموں سے روابط رکھے جو علم و دانش کے میدان میں اچھی شہرت رکھتے ہیں۔ اب معلوم نہیں کہ علامہ اقبال سے ان کا ابتدائی تعلق اس بنیاد پر بنا تھا یا اس کا محرک کچھ اور بھی ہے۔ ان کے سوانح نگار کے مطابق انھیں ۴۸۰ مارک ماہانہ ملا کرتے تھے جو اس زمانے میں بہت بڑی رقم تھی۔ ہمارا خیال ہے ان کے والد دراصل ان کے تحفظ کے خواہاں تھے۔ وہ خود برلن میں تھے اور ہنس ہاسو میونخ میں جو برلن سے خاصی مسافت پر ہے۔

۱۹۰۷ء کا سال اور میونخ یونیورسٹی میں ہنس ہاسو کا داخلہ ہنس ہاسو کی زندگی میں بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کی آئندہ زندگی کے تمام رنگ اسی شہر اور اسی زمانے میں ہی بنے اور نکھرے۔ علامہ اقبال اور ہنس ہاسو کے روابط کے آغاز کی تلاش میں راقم کو بے حد پریشانی کا سامنا ہوا کیونکہ کسی ماخذ سے اس کا علم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ علامہ اقبال کے ایک آدھ سوانح نگار[۱۳] نے ہنس ہاسو کو ہائیڈل برگ میں علامہ کا ہم درس لکھا ہے جبکہ محمد شفیع (م ش)[۱۴] نے میونخ کا ذکر کیا ہے۔ راقم نے اس بارے میں جب ہنس ہاسو کے سوانح نگار ڈاکٹر کارل کلاؤس سے ای میل کے ذریعے رابطہ کیا تو ان کا کہنا تھا کہ ہنس ہاسو کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ اس لیے یہ ممکن نہیں کہ ان کے ہر دوست کے بارے میں اتنی گہرائی کے ساتھ تحقیق کی جائے کہ ان کے روابط کے تمام نقش واضح ہو سکیں۔ میں نے جب انھیں اردو سوانح نگاروں کے اس موقف سے آگاہ کیا کہ ہنس ہاسو اور علامہ اقبال ہائیڈل برگ میں ہم درس رہ چکے تھے تو انھوں نے لکھا:

> "I have so far no clues for a longer stay of Veltheim in Heidelberg and his contact there with Iqbal. Is it possible that Heidelberg has been confused with Darmstadt. Here in the twenties took place the summer school of the philosopher Hermann Graf Keyserling, called the Schule der Weisheit. At one of the earliest meetings Rabindranath Tagore was present. Veltheim attended sessions regularly. May be that Iqbal was there, too,and met with Veltheim."(15)

راقم نے جب اس ادارے کے متعلق معلومات اکٹھی کرنا شروع کیں تو معلوم ہوا کہ اس ادارے کا آغاز ۱۹۲۰ء میں ہوا تھا اور رابندر ناتھ ٹیگور نے اس کا افتتاح کرتے ہوئے افتتاحی لیکچر دیا تھا۔ یہ ادارہ ان دونوں شخصیات کا مشترکہ ادارہ نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہی یہاں ان کے باہمی روابط کا آغاز ممکن تھا کیونکہ علامہ اقبال ۱۹۰۷ء میں مختصر عرصے کے لیے جرمنی آئے تھے اور ۱۹۰۷ء ہی میں واپس برطانیہ چلے گئے تھے۔ اس کے بعد انھیں دوبارہ جرمنی آنے کا موقع نہیں ملا۔ اس لیے ۱۹۲۰ء میں ان دونوں شخصیات کا اس ادارے میں یک جا ہونا ممکن ہی نہیں۔

جرمنی کے ایک چھوٹے سے قصبے ونیر یگورڈے (Wernigerode) کی لنڈس آرکائیو میں ہنس ہاسو کے کاغذات موجود ہیں۔ ان کاغذات میں ان کے لائبریری کارڈ[۱۶] پر میونخ یونیورسٹی کی مہر سے ہویدا تاریخ

اوران کی تعلیمی دستاویزات (۱۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۰۷ء میں وسط مئی تک میونخ یونیورسٹی میں داخلہ لے چکے تھے۔علامہ اقبال میونخ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کرنے کی غرض سے جولائی کے تیسرے ہفتے جرمنی پہنچ گئے تھے۔اگرچہ ان کا قیام ہائیڈل برگ میں رہا لیکن میونخ سے بھی ان کا رابطہ برقرار تھا۔قرائن بتاتے ہیں کہ علامہ اقبال اور ہنس ہاسو کے مابین اولین ملاقات میونخ یونیورسٹی ہی میں ہوئی ہوگی۔ہنس ہاسو کا طبعی رجحان فلسفے خصوصا بدھ مت، ہندومت اور برصغیر کے تہذیبی علوم کی طرف زیادہ تھا جس کی تصدیق ان کی تعلیمی دستاویزات سے ہوتی ہے ۔فلسفہ اقبال اور ہنس ہاسو کا مشترکہ موضوع تھا۔دونوں ایک ہی تعلیمی ادارے میں موجود تھے۔اس لیے گمان کیا جا سکتا ہے کہ اقبال اور ہنس ہاسو کے مابین جو روابط آگے چل کر مستحکم ہوئے، ان کی بنیاد میونخ ہی میں پڑی تھی۔

ذیل میں ہنس ہاسو کی ان تعلیمی دستاویزات کی عکسی نقل پیش کی جا رہی ہے جو راقم کو ونیری گیروڈے (Wernigerode) کی لنڈس آرکائیو (Lunds Archive) سے حاصل ہوئیں۔

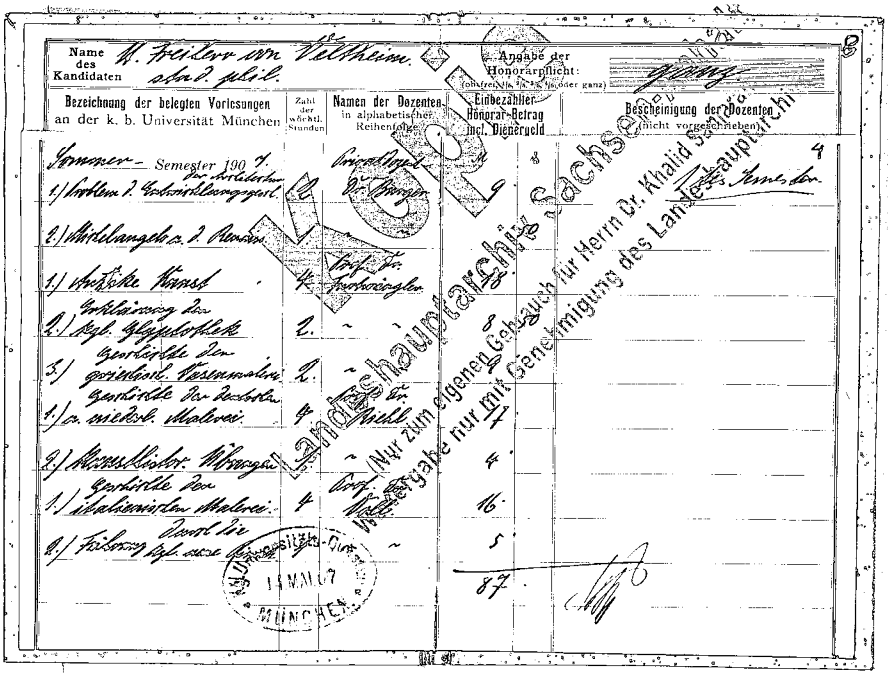

Zitiernachweis: LHASA, MD, Rep. H Ostrau II, Nr. 51 Bd. 1

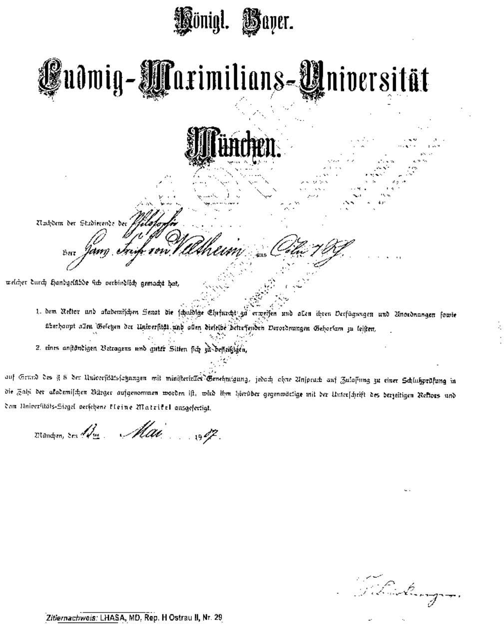

Königl. Bayer.

Ludwig-Maximilians-Universität

München.

Nachdem der Studierende der *Philosophie*

Herr *Hans Frhr. von Veltheim* aus *Cöln a/Rh.*

welcher durch Handgelübde sich verbindlich gemacht hat,

1. dem Rektor und akademischen Senat die schuldige Ehrfurcht zu erweisen und allen ihren Verfügungen und Anordnungen sowie überhaupt allen Gesetzen der Universität und allen dieselbe betreffenden Verordnungen Gehorsam zu leisten,

2. eines anständigen Betragens und guter Sitten sich zu befleißigen,

auf Grund des § 8 der Universitätssatzungen mit ministerieller Genehmigung, jedoch ohne Anspruch auf Zulassung zu einer Schlußprüfung in die Zahl der akademischen Bürger aufgenommen worden ist, wird ihm hierüber gegenwärtige mit der Unterschrift des derzeitigen Rektors und dem Universitäts-Siegel versehene kleine Matrikel ausgefertigt.

München, den *13ten* *Mai* 19*07*.

Zitiernachweis: LHASA, MD, Rep. H Ostrau II, Nr. 29

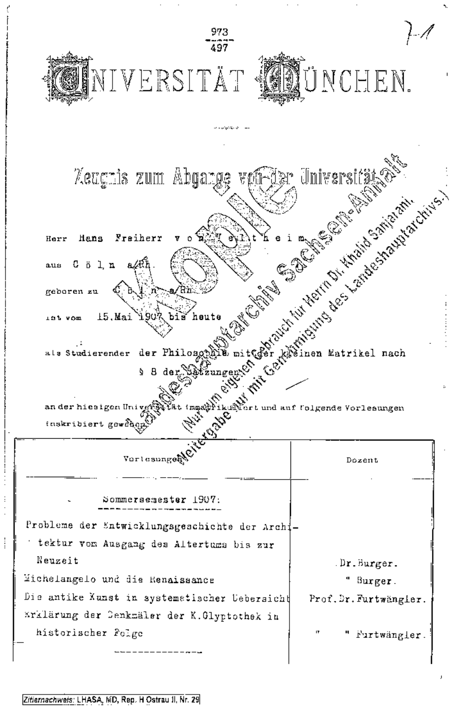

973
497

UNIVERSITÄT MÜNCHEN.

Zeugnis zum Abgange von der Universität

Herr Hans Freiherr von Veltheim

aus Cöln a/Rh.

geboren zu Cöln a/Rh.

ist vom 15.Mai 1907 bis heute

als Studierender der Philosophie mit der kleinen Matrikel nach § 8 der Satzungen

an der hiesigen Universität immatrikuliert und auf folgende Vorlesungen inskribiert gewesen:

Vorlesungen	Dozent
Sommersemester 1907:	
Probleme der Entwicklungsgeschichte der Architektur vom Ausgang des Altertums bis zur Neuzeit	Dr. Burger.
Michelangelo und die Renaissance	" Burger.
Die antike Kunst in systematischer Uebersicht	Prof. Dr. Furtwängler.
Erklärung der Denkmäler der K. Glyptothek in historischer Folge	" " Furtwängler.

Kopie
Landeshauptarchiv Sachsen-Anhalt
(Nur zum eigenen Gebrauch für Herrn Dr. Khalid Sanjarani,
Weitergabe nur mit Genehmigung des Landeshauptarchivs.)

Zitiernachweis: LHASA, MD, Rep. H Ostrau II, Nr. 29

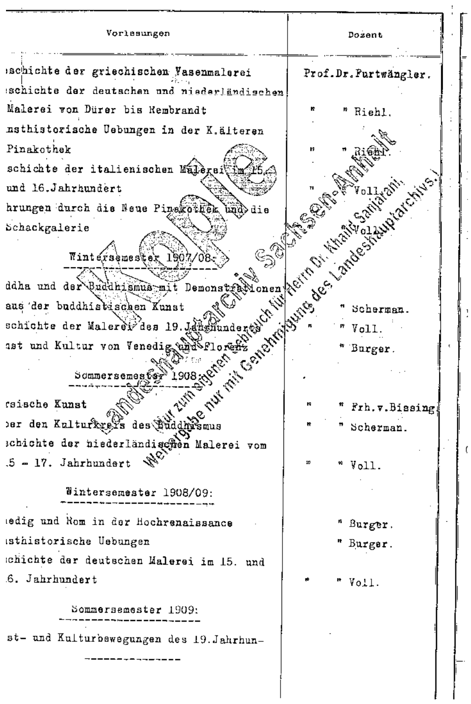

Vorlesungen	Dozent
schichte der griechischen Vasenmalerei	Prof.Dr.Furtwängler.
schichte der deutschen und niederländischen Malerei von Dürer bis Rembrandt	" " Riehl.
nsthistorische Uebungen in der K.älteren Pinakothek	" " Riehl.
schichte der italienischen Malerei im 15. und 16.Jahrhundert	" " Voll.
hrungen durch die Neue Pinakothek und die Schackgalerie	" " Voll.
Wintersemester 1907/08:	
ddha und der Buddhismus mit Demonstrationen aus der buddhistischen Kunst	" " Scherman.
schichte der Malerei des 19.Jahrhunderts	" " Voll.
nst und Kultur von Venedig und Florenz	" Burger.
Sommersemester 1908:	
rsische Kunst	" " Frh.v.Bissing.
ber den Kulturkreis des Buddhismus	" " Scherman.
schichte der niederländischen Malerei vom 15 - 17. Jahrhundert	" " Voll.
Wintersemester 1908/09:	
nedig und Rom in der Hochrenaissance	" Burger.
nsthistorische Uebungen	" Burger.
schichte der deutschen Malerei im 15. und 16. Jahrhundert	" " Voll.
Sommersemester 1909:	
st- und Kulturbewegungen des 19.Jahrhun-	

Kopie
Landeshauptarchiv Sachsen-Anhalt
Nur zum eigenen Gebrauch für Herrn Dr. Khalid Sanjarani,
Weitergabe nur mit Genehmigung des Landeshauptarchivs.

chweis: LHASA, MD, Rep. H Ostrau II, Nr. 29

ہنس ہاسو کی تعلیمی دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے آرٹ ہسٹری میں ڈاکٹریٹ کی حاصل کی (۱۸) آرٹ ہسٹری ان کا بنیادی مضمون تھا، ثانوی مضامین میں انھوں نے تاریخ اور انگریزی زبان وادب کا مضمون منتخب کیا تھا۔ میونخ یونیورسٹی میں ان کا داخلہ اوائل مئی ۱۹۰۷ء کو ہوا تھا۔ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۱ء تک انھوں نے یونانی تاریخ، جرمن تاریخ، گلدان پر مصوری کا فن، اطالوی، ہالینڈ اور انیسویں صدی میں مصوری کی تاریخ، بدھ مت مصوری کی روشنی میں، ایرانی مصوری کی تاریخ، مائیکل اینجلو۔ نشاۃ الثانیہ میں، وینس، روم، جرمنی، فرانس اور فلورنس کا آرٹ، انیسویں صدی کی تحریک آزادی کے ساتھ ساتھ بنک اور سٹاک مارکیٹ کا ایک کورس بھی پڑھا تھا (۱۹)۔
ان کے مضامین کے انتخاب کے علاوہ ان کا فکری جھکاؤ انھیں بہت جلد علامہ اقبال کے قریب لے آیا ہوگا۔

میونخ یونیورسٹی میں آرٹ کے شعبے میں ہنس ہاسو کی اعلیٰ تعلیم نے ان کی آئندہ زندگی کا رخ واضح طور پر

متعین کر دیا تھا اور ان کی باقی ماندہ زندگی اسی حوالے اس شاندار ڈھب سے گزری کہ وہ جرمنی میں آرٹ کے مضمون میں کم وبیش شہیر کی حیثیت اختیار کر گئے اور شعر و ادب، فلسفہ، مصوری، سنگ تراشی، باغبانی، ایشائی علوم ان کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بن گئے۔ اس ذوق اور دلچسپی نے انھیں اپنے عہد کے نابغوں کے قریب تر کر دیا تھا جس کی ایک مثال علامہ اقبال کی صورت میں ہمیں ملتی ہے۔ میونخ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرنے کے دوران ہی ان کے تعلق داروں نے ان کے باپ کے ساتھ ان کی ناراضی کو ختم کروا دیا تھا۔ میونخ یونیورسٹی تعلیم مکمل کرنے بعد انھوں نے انھوں نے سوئٹزرلینڈ کی برن یونیورسٹی (Bern University) کی طرف سے فرانس کے چھوٹے گرجا گھروں پر اپنا تحقیقی کام شروع کیا۔ ان کا یہ کام اعلیٰ درجے کا تھا۔ انھیں گمان تھا کہ فرانس کی حکومت چھوٹے گرجا گھروں کا خیال نہیں رکھ پا رہی، جس کی وجہ سے اس عظیم سرمائے کے ختم ہونے کا اندیشہ ہے۔ انھوں نے اپنے دوستوں کے ساتھ اس طرح کے گرجا گھروں کی تصاویر لیں اور ان پر ایک عمدہ مقالہ تحریر کیا۔ ذیل میں برن یونیورسٹی، سوئٹزرلینڈ کی تعلیمی دستاویزات کی عکسی نقل پیش کی جا رہی ہے۔

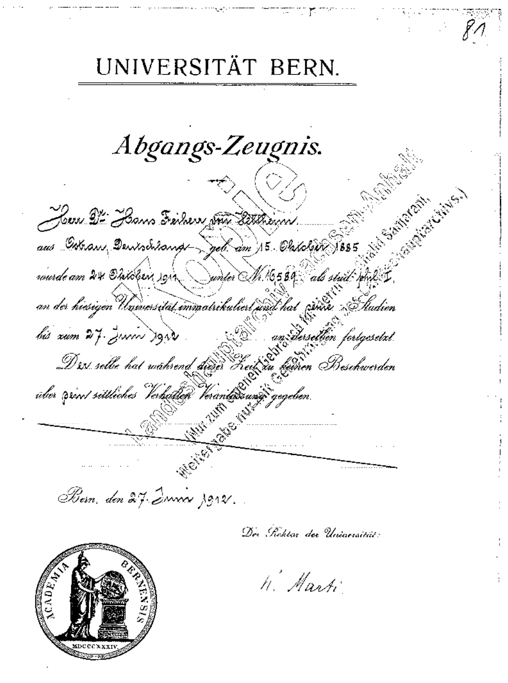
81

UNIVERSITÄT BERN.

Abgangs-Zeugnis.

Herr Dr. Hans Freiherr von Veltheim
aus Ostrau, Deutschland geb. am 15. Oktober 1885
wurde am 24. Oktober 1911 unter Nr. 16589 als stud. phil. I.
an der hiesigen Universität immatrikuliert und hat seine Studien
bis zum 27. Juni 1912 an derselben fortgesetzt.
Derselbe hat während dieser Zeit zu keinen Beschwerden
über sein sittliches Verhalten Veranlassung gegeben.

Bern, den 27. Juni 1912.

Der Rektor der Universität:
H. Marti

ACADEMIA BERNENSIS MDCCCXXXIV

Kopie
Landeshauptarchiv Sachsen-Anhalt
(Nur zum eigenen Gebrauch für ... Sanjarani.
Weitergabe nur mit Genehmigung des Landeshauptarchivs.)

Zitiernachweis: LHASA, MD, Rep. H Ostrau II, Nr. 29

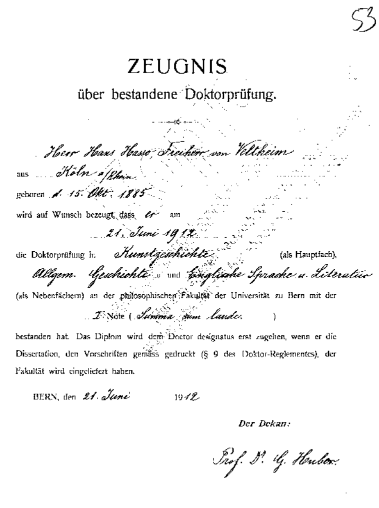
53

ZEUGNIS

über bestandene Doktorprüfung.

Herr Hans Hasso, Freiherr von Veltheim

aus Köln a/Rhein

geboren d. 15. Okt. 1885

wird auf Wunsch bezeugt, dass er am

21. Juni 1912

die Doktorprüfung in Kunstgeschichte (als Hauptfach),

Allgem. Geschichte und Englische Sprache u. Literatur

(als Nebenfächern) an der philosophischen Fakultät der Universität zu Bern mit der

I. Note (Summa cum laude)

bestanden hat. Das Diplom wird dem Doctor designatus erst zugehen, wenn er die Dissertation, den Vorschriften gemäss gedruckt (§ 9 des Doktor-Reglementes), der Fakultät wird eingeliefert haben.

BERN, den 21. Juni 1912

Der Dekan:

Prof. Dr. G. Huber

Zitiernachweis: LHASA, MD, Rep. H Ostrau II, Nr. 27

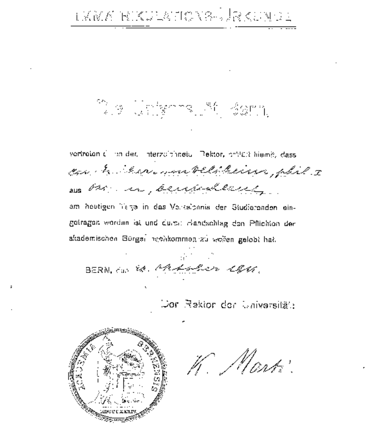
IMMATRIKULATIONS-URKUNDE

Die Universität Bern,

vertreten durch den unterzeichneten Rektor, erklärt hiemit, dass

[illegible] von Veltheim, phil. I

aus [illegible]

am heutigen Tage in das Verzeichnis der Studierenden eingetragen worden ist und durch Handschlag den Pflichten der akademischen Bürger nachkommen zu wollen gelobt hat.

BERN, den [illegible] Oktober 1911.

Der Rektor der Universität:

K. Marti

Zitiernachweis: LHASA, MD, Rep. H Ostrau II, Nr. 27

ہنس ہاسو کی عملی زندگی کا آغاز سوئٹزرلینڈ، باسل سے ہوا کہ جہاں انھیں ایک ملازمت مل گئی تھی لیکن وہ اس ملازمت پر زیادہ عرصہ نہ رہے۔ اس دوران وہ کئی ملازمتوں کے لیے کوشش کرتے رہے کہ ان کی خواہش تھی کہ اپنے پیروں پر خود کھڑے ہوں۔ ستمبر ۱۹۱۳ء میں وہ برلن چلے گئے اور مئی ۱۹۱۹ء میں دوبارہ میونخ آ گئے۔ ان تمام کاوشوں کا انجام یہ ہوا کہ انہیں آسٹراؤ میں موجود اپنی آبائی جاگیر کا انتظام سنبھالنا پڑا۔ انھوں نے آسٹراؤ محل کی آرائش کی طرف اپنی توجہ مرکوز کی۔ آسٹراؤ ان کی تمام تر توجہ اور سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ راقم کو جرمنی میں ان کے آبائی محل آسٹراؤ (Ostrau) جانے اور اس محل کی دیکھ بھال کرنے والے مقامی افراد سے بات چیت کرنے کا موقع ملا۔ اس محل کو ہنس ہاسو نے اپنے مہمانوں کے لیے ایک طرح سے عجائب گھر میں بدل دیا تھا۔ ایشیاء سے وابستہ کئی تہذیبی عوامل اس محل کی یادگار تصور کیے جاتے رہے۔ علامہ اقبال نے بھی ہنس ہاسو کے نام مکتوب میں اپنے محل میں آنے کی دعوت کا نہ صرف شکریہ ادا کیا بلکہ اپنی اس امنگ کا اظہار بھی کیا کہ وہ ان کی میزبانی سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں۔ اسی محل میں ہنس ہاسو اور علامہ اقبال کے مشترکہ دوست اور جرمنی کے نظریہ ساز ہملوٹ فان گلیسنیپ بھی مقیم رہے۔ انھوں نے وہاں پر موجود نوادرات، باغبانی اور کتب خانے پر خصوصی توجہ دی۔

Schloss Ostrau

ہنس ہاسو کی زندگی کے نمایاں تر پہلوؤں میں سے ایک پہلو سیاحت ہے۔انھوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ سیاحت میں بسر کیا۔اپنی سیاحتی یاداشتوں کو انھوں نے ڈائری کی صورت میں قلم بند کیا جو بعد میں شائع بھی ہوئیں۔ان کی سیاحتوں میں ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۸ء کے دوران میں ایشاء کی سیاحت نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ ایشیاء کی ان سیاحتوں پر مشتمل کتاب کے ذیلی عنوان میں بمبئی،کلکتہ،افغانستان، ہمالیہ، نیپال اور بنارس کے نام درج ہیں۔اسی ذیلی عنوان میں سیاحتوں کے زمانے کا تعین بھی ہوتا ہے جس کی رو سے ان سیاحتوں کا دورانیہ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۹ء تک پھیلا ہوا ہے۔ایشاء کی سیاحت کے دوران دنیا کے مصائب اور نئی تبدیلی کے باب میں ان کی نگاہوں سے حجابات اٹھ گئے تھے اور وہ آنے والے زمانے میں ایشاء بالخصوص برصغیر کی اہمیت کو محسوس کرنے لگے تھے۔وہ ان چندلوگوں میں سے تھے جنھوں نے دنیا کی سیاسی قوتوں کو ایشاء پر اپنی توجہ مرتکز کرتے دیکھا تھا۔ان کی خواہش تھی کہ یورپ بالخصوص جرمنی ایشاء سے اپنے بنیادی روابط استوار کرے۔

برصغیر کی طرف ان کا پہلا سفر ۱۱ نومبر ۱۹۳۵ء کو شروع ہوا۔جرمنی سے لندن تک وہ بحری راستے سے گئے اور وہاں سے مالٹا،عدن اور بمبئی پہنچے۔بمبئی سے دیگر سفری ذرائع سے احمد آباد اور اورنگ آباد کو روانہ ہوئے۔ ہمارا قیاس ہے کہ ایشیاء کی اس پہلی سیاحت کے دوران میں ان کی ملاقات علامہ اقبال سے بھی ہوئی۔ ہمارے اس قیاس کو ہنس ہاسو کے اس تحریر کردہ روزنامچہ سے تقویت ملتی ہے کہ جو ۱۹۳۸ء میں انھوں نے علامہ اقبال سے اپنی آخری ملاقات کے بعد تحریر کیا تھا۔

> ''اس لمحے مجھے اقبال کا آٹوگراف بڑی شدت سے یاد آیا جو انھوں نے اڑھائی سال پہلے میری ڈائری پر دیا تھا۔اس آخری ملاقات میں، میں نے ان کے سامنے ان کے

آٹوگراف کے الفاظ دہرائے بھی تھے۔ اس شعر کا جرمن ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

چناں بزی کہ مرگِ ماست مرگ دوام   خدا کردہ خود شرم سار تر گردد(۲۰)

راقم نے ان کی آٹوگراف کتاب تلاش کرنے کی مقدور بھر کوشش کی لیکن اس میں تا حال کامیابی نہیں مل سکی۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ ۱۹۳۸ء سے قبل ہونے والی اس ملاقات کا ذکر ان کی سیاحتی یاداشتوں میں نہیں ملتا۔ ہندوستان کی جانب ان کا یہ سفر زیادہ طویل نہ تھا، انھیں جلد ہی ۹ مارچ ۱۹۳۶ء کو واپس جرمنی جانا پڑا۔ ان کے دستیاب کاغذات کے مطابق وہ ۱۹ اپریل ۱۹۳۶ء آسٹراؤ واپس پہنچے۔ ہنس ہاسو کے محل میں ان کے چندہی کاغذات محفوظ ہیں۔ راقم ان کے پاسپورٹ کی نقل وہیں سے ملی جس کے لیے راقم آسٹراؤ محل کی دیکھ بھال کرنے والوں کا ممنون ہے۔ ذیل میں ان کے پاسپورٹ میں سے چند صفحات کی عکسی نقل پیش کی جاتی ہے کہ جس سے ان کی سیاحتوں بالخصوص ایشیاء کی سیاحتوں کا اندازہ لگایا جاسکے۔

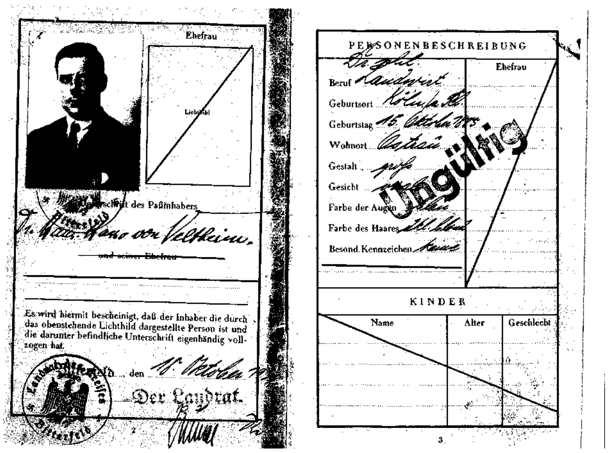

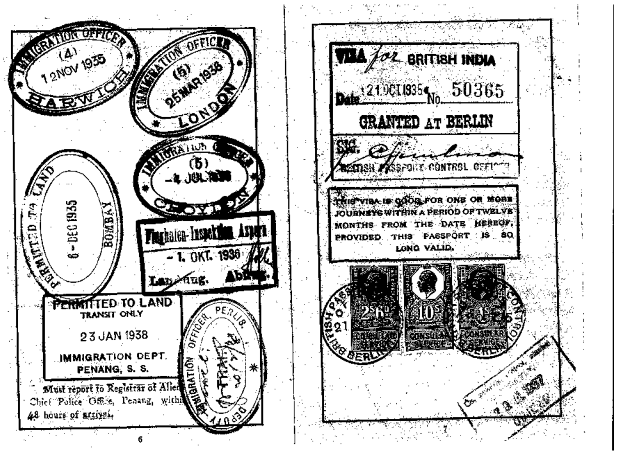

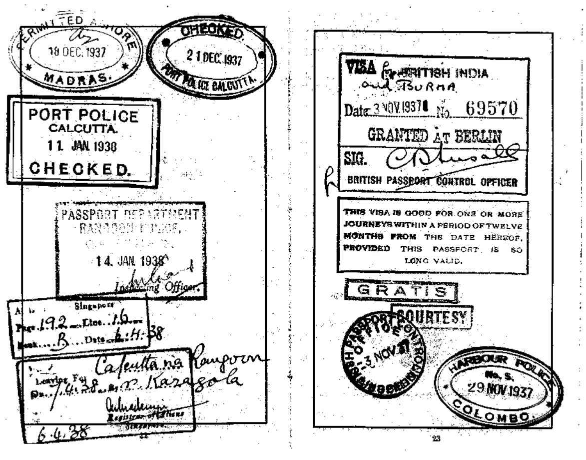

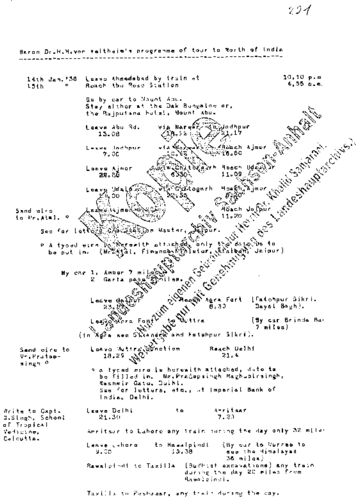

Baron Dr.H.H.von Velthaim's programme of tour to North of India

14th Jan.'38 Leave Ahmedabad by train at 10.10 p.m
15th " Reach Abu Road Station 4.55 a.m.

Go by car to Mount Abu.
Stay either at the Dak Bungalow or,
the Rajputana Hotel, Mount Abu.

Leave Abu Rd. 13.08 via Marwar 10.32 to Jodhpur 21.17

Leave Jodhpur 7.00 via Marwar 10.33 Reach Ajmer 16.00

Leave Ajmer 23.00 via Chitorgarh 6.30 Reach Udaipur 11.09

Leave Udaipur 14.00 via Chitogarh 22.55 Reach Ajmer 6.20

Send wire to Mr.Atal. * Leave Ajmer Reach Jaipur 11.20

See for letters C/o Station Master, Jaipur.

* A typed wire is herewith attached, only the date to be put in. (Mr.Atal, Finance Minister, Jaipur)

By car 1. Amber 7 miles
2 Garta pass 2 miles.

Leave Jaipur 23.27 Reach Agra Fort 8.30 (Fatehpur Sikri. Dayal Bagh).

Leave Agra Fort to Muttra (By car Brinda Ban 7 miles)
(in Agra see Sikandra and Fatehpur Sikri).

Send wire to Mr.Pratapsingh * Leave Muttra Junction 18.29 Reach Delhi 21.4

* a typed wire is herewith attached, date to be filled in. Mr.Pratapsingh Raghubirsingh, Kashmir Gate, Delhi.
See for letters, etc., at Imperial Bank of India, Delhi.

Write to Capt. S.Singh, School of Tropical Medicine, Calcutta. Leave Delhi 21.30 to Amritsar 7.20

Amritsar to Lahore any train during the day only 32 miles

Leave Lahore 9.00 to Rawalpindi 13.38 (By car to Murree to see the Himalayas 38 miles)

Rawalpindi to Taxilla (Budhist excavations) any train during the day 20 miles from Rawalpindi.

Taxilla to Peshawar, any train during the day.

Zitiernachweis: LHASA, MD, Rep. H Ostrau II, Nr. 1125

ہنس ہاسو کی زندگی کا ایک اور پہلو نازی پارٹی میں بہ امرِ مجبوری شمولیت اختیار کرنا تھا۔ان کے سوانح نگار کے مطابق ان کا پارٹی نمبر ۴۳۴۱۵۶۰ ہے۔انھوں نے نازی پارٹی کے پروپیگنڈہ سیکشن کے لیے کام کیا تھا۔انھیں ایشیاء بالخصوص ہندوستان، نیپال اور افغانستان میں پارٹی کا نمائندہ بنا کر بھیجا گیا تھا۔جرمنی کی حکومت ہندوستان ،ایران،افغانستان کے ممالک میں اپنی نیک نامی اور تعلق کے فروغ کی خواہاں تھی۔ ہندوستان اور افغانستان کے لیے ہنس ہاسو سب سے موثر آدمی تھے کہ ان کے روابط ان ممالک کے ساتھ تہذیبی اور علمی بنیادوں پر بے حد مضبوط

تھے اور ان ممالک میں ان کے دوستوں کی خاصی بڑی تعداد بھی موجود تھی۔ نازی حکومت کے لیے ضروری تھا کہ ان ممالک کے ساتھ اپنے معاملات کسی ایسے فرد کی وساطت سے طے کرے کہ جو ان ممالک میں اچھی شہرت کا حامل ہو۔ ڈاکٹر جاوید اقبال ان کے ہندوستان اور افغانستان کے دورے کے بارے میں لکھتے ہیں: ''بیرن فان والتھائیم ۔۔۔ جرمنی کے نازی لیڈر ہٹلر کے نمائندے کی حیثیت سے ہندوستان اور افغانستان کا سفر کر کے شاید ان ممالک کے حالات کا جائزہ لے رہے تھے'' **(۲۱)**

ہنس ہاسو ہندوستان کے پہلے سفر کے بعد چین اور جاپان کے ساتھ ایک بار پھر ہندوستان اور اس کے ہمسایہ ممالک کی سیاحت کا ارادہ رکھتے تھے۔ ان کے لیے نازی پارٹی کی تائید وحمایت کے بغیر جرمنی سے باہر سفر کرنا از حد دشوار تھا۔ ان کے لیے وزارتِ خارجہ کی حمایت حاصل کرنا بے حد ضروری ہو گیا تھا۔ ہنس ہاسو کے ایک دوست Dr.Karl Georg Pfeiderer جرمنی کی وزارتِ خارجہ میں کام کرتے تھے۔ ہنس ہاسو نے اس معاملے میں ان سے تعاون کی بات ضرور کی ہوگی۔ اس حوالے سے ان کے سوانح نگار کارل کلاؤس لکھتے ہیں: ''ممکنہ طور پر یہی وہ دوست ہوں گے کہ جنھوں نے ہنس ہاسو کو نازی پارٹی میں شمولیت اختیار کرنے پر آمادہ کیا ہوگا کہ اگر وہ نازی پارٹی میں شامل ہو جائیں تو ان کے لیے جرمنی سے باہر مسلسل سیاحتوں پر جانا آسان ہو جائے گا'' **(۲۲)**
کارل کلاؤس مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہی دوست کے ایماء پر ہنس ہاسو نے ایک ہوٹل میں Harmann von Harder سے ملاقات کی۔ ہارڈر نازی پارٹی کے دفتر خارجہ میں اہم عہدے پر تعینات تھے کہ جن کی منظوری لینا از حد ضروری تھا۔ اس کے بعد انھوں نے ایک اور ملاقات دفتر خارجہ میں کی جہاں انھیں کچھ بروشرز دیئے گئے کہ جو انھیں لازمی طور پر تقسیم کرنے تھے۔ ان ملاقاتوں کے بعد ہنس ہاسو نے نازی پارٹی میں شمولیت اختیار کی۔ اس سے اندازہ ہوتا کہ انھوں نے اپنی جاگیر کے تحفظ کے ساتھ ساتھ اپنے دوستوں کے ایماء اور اپنے جذبہ سیاحت کی خاطر نازی پارٹی میں شمولیت اختیار کی تھی۔ ان کی زندگی کے کئی واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس پارٹی کے نظریات کو قبول نہ کرتے تھے۔ ان کے آبائی علاقے آسٹراؤ میں راقم کو سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والی کئی ایسی روایات کا پتہ چلا ہے کہ جن سے نازی پارٹی کے باب میں ان کی ناپسندیدگی کا اظہار ہوتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ۱۹۴۵ء میں ان کی جاگیر پر نازی پارٹی نے قبضہ کر لیا تھا۔

ہنس ہاسو کی تحریر کردہ یادداشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندوستان اور افغانستان کے اس دورے کو خالصتاً ذاتی نوعیت کا رکھنا چاہتے تھے لیکن ہندوستان، افغانستان، نیپال اور دیگر ایشیائی ممالک کے بارے میں ان کی خفیہ رپوٹوں سے اس امر کی نفی ہوتی ہے کہ ان کا یہ دورہ خالصتاً ذاتی نوعیت کا تھا۔ میرے چند استفسارات کے جواب میں ان کے سوانح نگار لکھتے ہیں:

"Veltheim's journey was a mixture of official mission

and private enterprise. I suppose that the journey to Afghanistan was not so private as he pretended in later years.**(23)**"(Email dated 5.5.09)

ہنس ہاسو افغانستان روانہ ہونے سے قبل علامہ اقبال سے ملے تھے۔۔افغانستان اور اقبال کے گہرے روابط سے ماہرینِ اقبال بہ خوبی واقف ہیں ۔ڈاکٹر جاوید اقبال نے کے بہ قول علامہ اقبال نے ہنس ہاسو کو سفرِ افغانستان کے بارے میں معلومات دیں۔جرمنی افغانستان سے اپنے تعلق کو فروغ دینا چاہتا تھا اور اس عہد میں افغان حکومت میں کئی اہم منصب دار ہنس ہاسو کے دوست تھے اور ان کے محل میں قیام بھی کر چکے تھے۔افغانستان اور جرمنی کے مابین ۱۸اکتوبر ۱۹۳۷ء کو زمینی ٹرانسپورٹ اور سامان کی رسد کے بارے میں ایک معاہدہ پر دستخط کیے گئے تھے۔جرمنی کی جانب سے Fritz Todt نے اور افغانستان کی طرف سے عبدالمجید خان نے اس معاہدے پر دستخط کیے تھے۔جرمنی کے لیے افغانستان اس لیے بھی اہم تھا کہ اس کی طویل سرحد سلطنت برطانیہ کے زیرِ قبضہ ہندوستان سے ملتی تھی اور دوسری جانب روس سے بھی اس کا سرحدی علاقہ اہم تھا۔۱۹۳۷ء تک ہٹلر اپنے عسکری عزائم کو آخری شکل دے چکا تھا۔اس کے لیے ہندوستان اور اس کے ملحقہ مما لک اس لیے بھی اہم تھے کہ عالمی جنگ کی صورت میں وہاں کا ردِعمل کس نوعیت کا ہوگا۔اس کے لیے یہ سوال بھی اہم تھا کہ برطانیہ سے جنگ کی صورت میں ان علاقوں کے لوگ برطانیہ کا ساتھ دیں گے یا اس کے تسلط سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔اس نوع کے سوالات کے جوابات کا انحصار ہنس ہاسو کے اس دورے پر بھی تھا کہ جس کی رپورٹ انھیں واپسی پر جمع کروانی تھی۔ہنس ہاسو کی تحریر کردہ خفیہ رپوٹوں میں سے راقم کو صرف نیپال کی رپورٹ تک رسائی حاصل ہوئی ہے۔ان خفیہ رپورٹوں کے باوجود ہنس ہاسو نازی پارٹی سے کامل اتفاق نہیں رکھتے تھے کہ جس کی شہادت ان کی سوانح سے کئی مقامات سے مل جاتی ہے۔

ہنس ہاسو کی شخصیت میں سیاسی جہت اگرچہ موجود ہے لیکن اسے ان کی شخصیت کی غالب پہلو نہیں کہا جا سکتا۔وہ بنیادی طور پر فنونِ لطیفہ کے آدمی تھے کہ جن کی دل چسپی کا محور شعر و ادب، سنگ تراشی، مصوری، فلسفہ اور ان سے وابستہ نوادرات کا اکھٹا کرنا ہے۔انھوں نے عالمی جنگ کا سانحہ دیکھا۔وہ تمام عمر مشرقی و مغربی جرمنی کے الحاق کے علاوہ مشرقی و مغربی تہذیبوں کے اتصال کے بہت بڑے داعی رہے اور اس مقصد کے لئے ساری عمر لڑتے بھی رہے۔۱۳ اگست ۱۹۵۶ء کی دوپہر کو ان کے آخری الفاظ اس حوالے بہت معنی خیز دکھائی دیتے ہیں: ’’میں نے ایک اچھی جنگ لڑی۔‘‘

حواشی وحوالہ جات

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے راقم کا مقالہ بہ عنوان علامہ اقبال کے ایک مکتوب اور مکتوب الیہ کی دریافت مطبوعہ ''معیار''، جلد ۱، شمارہ ۱، جنوری۔ جون ۲۰۰۹، شعبہء اردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد ص ۱۳۵۔۱۴۸

2. The Civil and Miltary Gazzete, (Friday,22 April,1938)Vol.Lix,No.4299,P.1

۳۔ ہنس ہاسو اپنی مطبوعہ ڈائری میں لکھتے ہیں: ''ان کے فرزند شیخ جاوید اقبال کو میں نے تعزیت نامہ ارسال کیا تھا جو بعد میں ہندوستان کے اخبارات میں شائع بھی ہوا'' (Tagebüchar aus Asien, Hamburg,1956.P.139)

۴۔ ''ذکرِ اقبال'' از عبدالمجید سالک، ''زندہ رود'' از جاوید اقبال اور ''مظلوم اقبال'' از اعجاز احمد جیسی اہم تصانیف میں بھی اس ملاقات کا سرسری سا ذکر ملتا ہے۔

۵۔ ہنس ہاسو نے سفرِ ایشیاء کے دوران اپنی یاداشتوں کو روز نامچے کی صورت میں قلم بند کیا تھا جو بعد ازاں جرمنی سے ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔ اس کی اشاعت کی تفصیل حواشی نمبر ۳ میں درج کی جا چکی ہے۔

۶۔ اس حوالے سے ہنس ہاسو لکھتے ہیں:

''آج ۲۳ اپریل ۱۹۳۸ کو ہندوستان سے آنے والے اخبارات کے ذریعے سر محمد اقبال کی وفات کی اطلاع پہنچی تو سارے بازار بند ہو گئے۔ اس لمحے مجھے اقبال کا آٹوگراف بڑی شدت سے یاد آیا جو انھوں نے اڑھائی سال پہلے میری ڈائری پر دیا تھا۔ اس آخری ملاقات میں، میں نے ان کے سامنے ان کے آٹوگراف کے الفاظ دہرائے بھی تھے'' (Tagebüchar aus Asien) ہنس ہاسو کی وہ ڈائری، جس پر علامہ اقبال کا آٹوگراف (ایک فارسی شعر) کی صورت میں درج ہے، ہمیں نہیں مل سکی۔ ہالے یونیورسٹی، جرمنی میں بھی ہنس ہاسو کے کچھ ذاتی کاغذات منتقل کیے گئے تھے کہ جن تک ہمیں رسائی نہ دی جا سکی۔ ہالے یونیورسٹی میں اسلامیات کے پروفیسر پیٹرک فرانکے کا خیال تھا کہ ہنس ہاسو کے ورثاء ان کاغذات کو واپس لینے کے لیے تگ و دو کر رہے ہیں اور حتمی فیصلے تک ان تمام دستاویزات تک رسائی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ چونکہ ان کے کئی اہم کاغذات ہمیں لنڈس آرکائیو سے مل گئے تھے اور خواہ مخواہ کی ضد کا انجام بھی دیکھ بیٹھے تھے، اس لیے نا قابل رسائی کاغذات لیے زور نہیں دیا۔ ہمارا گمان ہے کہ ہالے یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہنس ہاسو کے کاغذات سے یہ ڈائری مل سکتی ہے کہ جس پر اقبال نے اپنا ایک فارسی شعر آٹوگراف کی صورت میں درج کیا تھا۔

۷۔ ہنس ہاسو نے ۱۹۳۶ کو علامہ اقبال کی ساٹھویں سالگرہ کا برس سمجھتے ہوئے اس موقع کی مناسبت سے اپنی نیک خواہشات کا اظہار پوسٹل کارڈ ارسال کر کے کیا تھا۔ جس کی وضاحت ہنس ہاسو کی مطبوعہ ڈائری سے ہوتی ہے جس میں وہ لکھتے ہیں: ''انھوں (اقبال) نے کمال محبت کے ساتھ میرے ارسال کردہ اُس کارڈ کا شکریہ ادا کیا جو میں نے جنوری میں ان کی ساٹھویں سالگرہ کے موقع پر بھیجا تھا۔'' (Tagebüchar aus Asien,Vol.1,P.138) معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ۱۸۷۶ء کے حساب سے ۱۹۳۶ء کو اقبال کی ساٹھویں سالگرہ متصور کیا جو کہ غلط ہے۔ مدتوں تک اقبال کا

سالِ پیدائش ۱۸۷۶ء ہی سمجھا جاتا رہا اور اسی برس کی مناسبت سے ہنس ہاسو نے انھیں ۱۹۳۶ء میں ساٹھویں سالگرہ کا کارڈ ارسال کیا تھا۔ علامہ اقبال نے ارسال کردہ اس کارڈ کا شکریہ اپنے ایک مکتوب محررہ ۳۰ جون ۱۹۳۶ء میں کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کو یہ کارڈ جون ۱۹۳۶ء سے پہلے موصول ہو چکا تھا۔ اس نوع کے رابطوں سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ہنس ہاسو اور علامہ اقبال رابطے میں رہتے تھے۔

۸۔ ہنس ہاسو نے برقی تار کے ذریعے علامہ اقبال کو اپنی ہندوستان میں آمد سے مطلع کیا تھا۔ اکرام چغتائی نے راقم کو ایک ملاقات میں بتایا ہے کہ انھوں نے اس برقی تار کی عکسی نقل اپنے مضمون ''اقبال کا آخری ملاقاتی'' میں دی ہے۔

۹۔ ہنس ہاسو کی وفات کے بعد ان کا کتب خانہ اور ان کے محل میں موجود کاغذات برلن کے قدرے نزدیک واقع ہالے (Halle-Salle) یونیورسٹی کے کتب خانے اور ہالے سے لگ بھگ ڈیڑھ سو کلومیٹر دور ایک چھوٹے سے قصبے وینیری گورڈے (Wernigerode) کی لنڈس آرکائیو میں منتقل کر دئے گئے تھے جو تا حال وہیں موجود ہیں۔ ان کے کچھ کاغذات آسٹراؤ (Ostrau) میں ان کے آبائی محل کے قریب واقع گرجا گھر میں رکھے ہوئے ہیں۔ راقم کو ان تینوں مقامات پر جانے کا موقع ملا۔ راقم نے وہاں سے ہنس ہاسو کی تعلیمی دستاویزات، پاسپورٹ، ان کے مطبوعہ روزنامچے کا اصل مسودہ، سفرِ ہند کے دوران ان کے نوٹس، ہندوستان میں ان کی قیام گاہوں سے متعلق کاغذات، ہندوستان اور نیپال کی کچھ تصاویر وغیرہ حاصل کیں۔

۱۰۔ ہنس ہاسو کی ایک سوانح عمری جرمن زبان میں کچھ برس شائع ہوئی ہے۔ ان کے سوانح نگار حیات ہیں۔ ہنس ہاسو کے حالاتِ زندگی کے باب میں راقم ان سے مسلسل رابطے میں رہا۔ ذیل میں اس سوانح عمری کی اشاعتی تفصیل درج ہے۔

Walter, Karl Klaus,"Hans Hasso von Veltheim" Halle, mdv Verlag, 2004

۱۱۔ جرمن زبان میں ہنس ہاسو کی شخصیت پر ایک نہایت ہی شاندار کتاب مرتب کی گئی کہ جس میں ان کے معاصرین، ان کے اہلِ خانہ اور ان کے محل میں کام کرنے والوں کے انٹرویوز شامل کئے گئے۔ علاوہ ازیں، اس کتاب میں آرٹ اور فلسفے سے وابستہ افراد کے مضامین بھی خاصے کی چیز ہیں۔ ہنس ہاسو کی سوانح عمری کی اشاعت سے قبل یہ کتاب ان کی زندگی اور شخصیت کا واحد اور مستند حوالہ تھی۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے مندرجات کو ان کے سوانح نگار نے کئی مقامات پر بنیادی ماخذ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ کتاب کا حوالہ ذیل میں درج ہے۔

Rolf Italiaander," Hans-Hasso von Veltheim-Ostrau",Droste Verlag Dusseldorf, N.D

۱۲۔ لنڈس آرکائیو، جرمنی میں موجود ان کی تعلیمی دستاویزات بہ حوالہ نمبر LHASA, MD,Rep. H Ostrau II,Nr.27 ان دستاویزات سے ان کا مکمل نام، جائے پیدائش اور تاریخ پیدائش کا تعین ہوتا ہے۔

۱۳۔ عبدالمجید سالک اس ملاقات کے بارے میں لکھتے ہیں: ''۲۰ اپریل کو سہ پہر کے وقت علامہ درد پشت کی وجہ سے بہت بے چین تھے کہ اتنے میں ان کے ایک پرانے ہم جماعت (جو ھائیڈل برگ جرمنی میں ان کے ہم سبق تھے) بیرن

فان فلٹ ھائم اتفاق سے ملاقات کو آ نکلے۔ ان کا ایک پارسی دوست بھی ساتھ تھا۔ علامہ نے ان سے خوب جی بھر کر باتیں کیں اور طالب علمی کے زمانے کی باتیں بڑے لطف سے یاد کرتے رھے۔ یہ صاحب آخری بیرونی ملاقاتی تھے جو علامہ کی خدمت میں باریاب ہوئے'' (ذکرِ اقبال، ص ۲۲۱، ۲۲۲) جاوید اقبال نے بھی ''زندہ رود'' میں مختصر طور پر ہنس ہاسو کی اس شام جاوید منزل آمد کو بیان کیا ہے: ''کوئی ساڑھے چار بجے بیرن فان والتھائیم انہیں ملنے کے لئے آ گئے۔ بیرن فان والتھائیم نے جرمنی میں اقبال کی طالب علمی کے زمانے میں ان کے ساتھ کچھ وقت گزارا تھا اور اب وہ جرمنی کے نازی لیڈر ہٹلر کے نمائندے کی حیثیت سے ہندوستان اور افغانستان کا سفر کر کے شاید ان ممالک کے حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ ہندوستان کا دورہ مکمل کر چکنے کے بعد وہ کابل جا رہے تھے۔ اقبال اور بیرن فان والتھائیم دونون تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک ہائیڈل برگ یا میونخ میں اپنی لینڈ لیڈی، احباب اور اساتذہ کی باتیں کرتے رہے۔ پھر اقبال نے انھیں سفرِ افغانستان کے متعلق معلومات فراہم کیں۔ جب بیرن فان والتھائیم جانے لگے تو اقبال نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ مصافحہ کر کے انھیں رخصت کیا'' (زندہ رود، ص ۷۱۸) مستشرقین میں سے آنا میری شمل نے اپنے مضمون ''اقبال اور جرمنی'' میں ہنس ہاسو اور ان کی علامہ اقبال سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ انھوں نے بھی ان دونوں شخصیات کے روابط پر زیادہ روشنی نہیں ڈالی لیکن انھوں نے ہن ہاسو کی مطبوعہ ڈائری میں سے اس ملاقات کا احوال اقتباسات کی صورت میں دیا۔

۱۴۔ ''اقبال کے آخری چوبیس گھنٹے'' از محمد شفیع (م ش) ''ہمایوں'' جون ۱۹۴۱ء (بہ حوالہ)

15. E-mail of Karl Klaus Walterdated 05.03.09

۱۶۔ ہنس ہاسو کے لائبریری کارڈ پر میونخ یونیورسٹی کی مہر سے ۱۴ مئی ۱۹۰۷ء کی تاریخ واضح طور پر پڑھی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی تعلیمی دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سمر سمسٹر ۱۹۰۷ء میں میونخ یونیورسٹی میں داخلہ لے چکے تھے۔ علامہ اقبال میونخ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کرنے کی غرض سے جولائی (۱۹۰۷ء) کے تیسرے ہفتے جرمنی پہنچ گئے تھے۔ اگرچہ ان کا قیام ہائیڈل برگ میں رہا لیکن میونخ سے بھی ان کا رابطہ برقرار تھا۔ قرائن بتاتے ہیں کہ علامہ اقبال اور ہنس ہاسو کے مابین اولین ملاقات میونخ یونیورسٹی ہی میں ہوئی ہو گی۔ لنڈس آرکائیو میں ان کے مذکورہ لائبریری کارڈ کا حوالہ نمبر LHASA, MD,Rep. H Ostrau II,Nr.51 Bd. 1 ہے۔

17. LHASA, MD,Rep. H Ostrau II,Nr.29

18. LHASA, MD,Rep.H Ostrau II, Nr.27

۱۹۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے

Hans Hasso von Veltheim-Eine Biographei by Karl Klaus P.35-38

20. Tagebüchar aus Asien, P.139‹Hans Hasso

۲۱۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر ''زندہ رود''، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۷۱۸

22. Walter, Karl Klaus," Hans Hasso von Veltheim" P.146

کتابیات

۳۔ اقبال، جاوید، ''زندہ رود''، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء۔
۲۔ بٹالوی، عاشق حسین، ''اقبال کے آخری دو سال''، اقبال اکیڈمی، کراچی، بار دوم ۱۹۶۹ء۔
۴۔ چغتائی، محمد عبداللہ، ''اقبال کی صحبت میں''، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۷ء۔
۵۔ چغتائی، محمد عبداللہ، ''روایاتِ اقبال''، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۷ء۔
۶۔ سنجرانی، خالد، طارق عزیز و دیگر (مرتبین)، ''اقبال مشرق و مغرب کی نظر میں''، جی سی یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۰۲ء۔
۷۔ عبدالحکیم، خلیفہ، ''فکرِ اقبال''، بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۶۸ء۔
۸۔ خورشید، عبدالسلام، ''سرگزشتِ اقبال''، اقبال اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۷ء۔
۹۔ درانی، سعید اختر، ''اقبال۔ یورپ میں''، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۹۹ء۔
۱۰۔ ہاشمی، رفیع الدین، محمد سہیل عمر و دیگر (مرتبین)، ''اقبالیات کے سو سال''، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء
۱۱۔ سالک، عبدالمجید، ''ذکرِ اقبال''، بزمِ اقبال (س۔ن)، لاہور عرض حال یکم جون ۱۹۵۵ء۔
۱۲۔ عبدالواحد، سید، ''نقشِ اقبال''، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۶۹ء۔
۱۳۔ عطیہ سید، ''اقبال''، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۷۵ء۔
۱۴۔ فقیر، وحید الدین، سید، ''روزگارِ فقیر''، لائن آرٹ، کراچی، بار ششم ۱۹۶۶ء۔

(جرمن اور انگریزی کتب)

1. Braybrooke,Marcees, Intrfaith Originigations 1831 to 1979 A Historical Directory, Edwin Mellen Pr.ND
2. Burgel, J.C , Iqbal and Europe , Bern: Peter Lang, 1980.
3. Chaghatai, M.Ikram, Iqbal and Tagore, Lahore:Sang e mell publications, 2002.
4. Veltheim, Hans Hasso, Tagebuchar aus Asein, Hamburg: Neue Folge.2.verb.Aufl. 1955.
5. Walter, Karl Klaus, Hans Hasso von Veltheim" Halle: mdv Verlag, 2004.